Lesson 4: Al-Maidah (Ayaat 27 - 40): Day 12

سُوْرَةُ الْمَآئِدَة کی تفسیر

آج کے سبق کا آغاز ایک نئے موضوع سے ہوتا ہے؛

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴿27﴾

اور (اے محمدؐ) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات (جو بالکل) سچے (ہیں) پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے خدا (کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے۔ (جس کی قبول نہیں ہوئی) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کروں گا اس نے کہا (جس کی قبول ہو گئی تھی) کہ خدا پرہیز گاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے ﴿۲۷﴾

آج کے سبق میں ایک قصّہ ہے۔ آج کے سبق کا موضوع قتل اور فساد کی بنیادی وجوھات" کہہ سکتے ہیں۔

اگر پچھلی آیات سے ربط ملالیں تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نافرمانی اور نبی پاکؐ کی اطاعت سے انکار کے بارے میں بیان فرمایا تھا۔ انہوں نے جہاد سے انکار کیا۔ جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانی اپنے نفس کی وجہ سے کی تھی۔ پہلا قتل ایک بھائی نے بھائی کا کیا تھا۔ پہلے قتل کی وجہ حسد تھی۔

اصل میں یہاں وہی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ بنی اسرائیل حسد کی وجہ سے اللہ کے نبیؐ کی نبوت کا انکار کر رہے تھے۔

اللہ کے نبیؐ کو یہ تمام پچھلے واقعات اس لئے سنائے گئے کہ اُن سے نصیحت حاصل کی جائے۔

صحیح روایات سے آدم اور حوا کا قصّہ کچھ یوں ہے۔

آدمؑ اور حواؑ دونوں جنّت میں رہتے تھے۔ جیسا کے پوری تفصیل ہم نے البقرہ میں پڑھی تھی۔ پھر اُنھیں دُنیا میں بھیج دیا گیا۔ پھر اُن کے اولاد ہوئی۔ ایک بیٹا اور بیٹی ایک ہی وقت میں پیدا ہوتے تھے۔ وہ بہن بھائی ہوتے تھے۔ اُن کی اولاد میں دو بیٹے تھے۔
ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی، اس لیے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے، پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا، ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے، حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا۔
آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالیں، جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اُس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی اِن آیات میں ہوا۔

سُنی ہوئی بات کا اَثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ پڑھ کر سنائیں۔ پیچھے کیونکہ یہ بھی ذِکر ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل اللہ کے نبیؐ سے حسد کرتے تھے۔ اس لئے بلاواسطہ in directly یہ بات اُن کو

بھی سنائی گئی۔ آگے فرمایا گیا۔ کہ حق کے ساتھ بیان کرو۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قصّے کہانیاں بھی حقیقت سے قریب ترین ہونی چاہئیں۔ صرف دِل بہلانے کے لئے جھوٹی کہانیاں پڑھنا۔ لکھنا اور سُننا دُرست نہیں ہے۔ اس سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ ان کو فکشن کہتے ہیں۔ مثلاً ناول اور ڈائجسٹ وغیرہ۔

میڈیا کے اَثرات پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔ آپ نورالقرآن ویب سائٹ سے سُن لیکچر سُن سکتے ہیں۔

ہم نوجوانوں کی شکایات تو کرتے ہیں لیکن ہم نے اُن کی تربیت کیسے کی ہے؟ وہ کئی کئی گھنٹے ٹی وی یا سوشل میڈیا کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ جھوٹ کی دُنیا میں رہتے ہیں۔ اُن کا ذہن سچائی اور حقیقت سے دُور چلا جاتا ہے۔ وہ مختلف گھریلو ماحول ٹی وی پر دیکھتے ہیں۔ قصے کہانیاں حق کی بنیاد پر ہونے چاہئیے تاکہ عبرت حاصل کی جائے۔ قرآن پاک میں کئی قصّے بیان کیئے گئے ہیں۔

آج بھی تاریخ کا موضوع پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن نصیحت اور عبرت کے لئے نہیں پڑھائی جاتی ہے۔

یہود کو یہ بات اس لئے بھی سنائی جارہی ہے کیونکہ وہ اللہ کے نبیؐ کے قتل کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یہود کے ہاں قتل کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ وہ انبیاء کرامؑ کو قتل کرتے۔ حق کہنے والوں کو قتل کرتے تھے۔

پھر آگے قصّہ شروع ہوتا ہے۔ جب اُن دونوں نے قربانی کی۔ یعنی ہابیل اور قابیل نے۔

لفظ قربانی۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے اللہ کا قُرب پایا جائے۔ اللہ کے نام کوئی چیز بھی قربان کرنا۔ یہ کوئی جنس اور اناج بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی جانور بھی اور اپنے جذبات کو اللہ کی فرمانبرداری میں قربان

کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ وقت اور سوچ کی قربانی۔ دوست اور اسٹیٹس کی قربانی۔ نفس اور گھر والوں کی خواہشات کی قربانی۔ یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی راہ میں قربان کی جائے۔

اُس زمانے میں قربانی ایسے کی جاتی تھی۔ کہ اللہ کی راہ میں دینے والی چیز کو کہیں میدان میں چھوڑ دیتے تھے۔ پھر آسمان سے آگ آتی تھی اور اگر وہ قربانی قبول ہو جاتی تھی تو آگ اُسے جلا دیتی۔ لیکن اگر قربانی قبول نہ ہوتی تو وہیں پڑی گل سڑ جاتی۔

اللہ نے اُمتِ مسلمہ کے پردے رکھ لئے، ہماری ہر نیت سے دی گئی قربانی کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ چاہے ریاکاری اور دکھاوے کے لئے ہو یا خالص نیت سے اللہ کی راہ میں دی جائے۔

بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا۔

اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کیلیئے نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی، جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی، اس کی کھیتی یونہی رہ گئی، اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالیں تھیں۔

(کیا ہم تو ایسے نہیں کرتے کہ خراب مال اللہ کی راہ میں دیتے ہوں؟ اپنا محاسبہ کریں کہ ہماری نیت کیسی ہوتی ہے؟)

ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا، برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت خراب، بیکار

چیز اور وہ بھی بے دلی سے اللہ کے نام نکالی۔ ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا ظلم وزیادتی سہہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔

چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آسکتی، اس لیے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟

قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب صورت تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے روکا۔

بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام سے قابیل نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کیلئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہو گئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں۔ موقع کا منتظر تھا ایک روز اتفاقاً ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کیلئے آدم نے قابیل کو بھیجا۔ یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا، راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہو گئی، اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین، عمدہ، محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بے کار بے جان چیز نکالی، اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔

لَئِنۡ بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقۡتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٖ يَدِيَ إِلَيۡكَ لِأَقۡتُلَكَ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ رَبَّ ٱلۡعَٰلَمِينَ﴿28﴾

اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے﴿۲۸﴾

اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی، ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بُری طرح لیا جائے گا۔ اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا۔

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿29﴾

میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی پھر (زمرہ) اہل دوزخ میں ہو اور ظالموں کی یہی سزا ہے ﴿۲۹﴾

یعنی میرے گناہ بھی تیرے سر ہونگے۔ اور تیرے اپنے گناہ بھی۔ وہ اگر چاہتا تو ہاتھ اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُس نے صرف روکنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ اللہ سے ڈرایا لیکن خود ہاتھ نہ اُٹھایا۔

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿30﴾

مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا ﴿۳۰﴾

یقیناً بھائی سے پیار بھی ہو گا۔ باپ کی محبت کا بھی خیال ہو گا اور اللہ سے خوف بھی دِل میں ضرور ہو گا۔ لیکن حسد اور دِل کی ناراضگی کی وجہ سے شیطان غالب آ گیا۔ حسد گناہ کو آسان کر دیتا ہے۔

پہلی دفعہ ہمیں گناہ کرنا مشکل لگتا ہے۔ اپنے دِل سے ہم غلط کام کرنا نہیں چاہتے۔ ہم جان بوجھ کر ظلم کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ایک تو ہم اپنے آپ کے لئے وجہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ (فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ) دوسرے ہم خود کو تسلی دے لیتے ہیں۔ تیسرا پھر بار بار وہی کام کرنا ہمارے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

لوگ دھوکے اور فراڈ کرتے ہیں تو کوئی توجیہ بھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ غلط کام کر کے اپنے دِل کو تسلّی دے لیتے ہیں۔ کہ ہم اپنا حق لے رہے ہیں۔

(اپنا محاسبہ کریں کہ ہم کونسا ایسا غلط کام یا گناہ کرتے ہیں اور پھر اُس کے لئے وجہ بھی ڈھونڈ لیتے ہیں؟ کیا غیبت کر کے کہتے ہیں کہ میں تو صرف بات کر رہی تھی؟)

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ﴿31﴾

اب خدا نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے کہنے لگا اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہوا ﴿۳۱﴾

جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے، وہ دونوں بھی ایک درخت پر بیٹھے تھے، پھر اس کے سامنے لڑنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا، پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی، یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔

النَّادِمِين: یعنی نادم اور شرمندہ: یہ شرمندگی اس بات پر بھی نہیں تھی کہ بھائی کو مار ڈالا۔ نہ ہی اس بات پر کہ بھائی سے حسد کیا۔

آج بھی لوگوں کو یہی غم کہ ہے کہ اپنے غلط کام کو کیسے چھپائیں۔ آج بھی وہی لوگ دُنیادی طور پر کامیاب ہیں جو اپنے دھوکے اور فراڈ کو چھپا سکتے ہیں۔ حالانکہ وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

"۔۔ اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا۔" دوسری بات یہ دیکھیں کہ کوّے سے امپریس ہوُا ہے لیکن بھائی کی نیکی سے متاثر نہیں ہوُا۔ شیطان بھی لوگوں کے لئے اُن کے غلط کام خوبصورت بنا پیش کرتا ہے۔

آج ہمارے لوگ زیادہ تر ایسے شو آف لوگوں سے امپریس ہوتے ہیں۔ بُرائی سے رغبت ہے۔ اور بُرے کام کرنے والے کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسی لڑکی کو ہیروئین دکھایا جاتا ہے جو معاشرے میں برائی پھیلاتی پھرے۔ سیدھا اور شریف انسان بدھو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ داڑھی ٹوپی والا۔ جس کو بات کرنی نہ آئے اُس کا مذاق بنا کر دکھایا جاتا ہے۔

احادیثِ رسولؐ کی روشنی سے پتا چلتا ہے۔ کہ جو انسان اپنے آپ کو بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔ جو عورت اپنی عزّت بچاتی ہوئی ماری گئی وہ بھی شہید ہے۔ لیکن وہ خود پہل نہ کریں۔ خود لڑائی میں حصّہ نہ لیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے، اس کے خون کا بوجھ آدم کے اُس لڑکے پر بھی پڑتا ہے، اس لیے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔ (صحیح بخاری:3335)

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر

گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔(سنن ابوداود:4902،قال الشيخ الألباني:صحيح)تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔(صحیح بخاری:31)

اس قصے میں حسد و بغض سرکشی اور تکبر کا بدانجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بنا اور مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنالیا اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کریں۔اُس کو حکمت سے سمجھانے کی کوشش ضرور کریں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔(صحیح بخاری)

اَب ہمارے لئے کیا سبق ہے؟

قرآن پاک میں تمام قصّے حق ہیں۔ان میں ہمارے لئے نصیحت ہے۔عبرت لی جاتی ہے۔صرف لفاظی میں پڑ کر ڈرامے اور ناول پر وقت ضائع نہ کریں۔

آگے ہمیں کیسے پتا چلے کہ ہماری نیکی قبول ہو رہی ہے؟

ہر نیکی دوسری نیکی کو آسان کر دیتی ہے۔ اگر نماز قبول ہو جاتی ہے تو اگلی نماز کی توفیق مل جاتی ہے۔ بہت نیکیاں کرنے کی کوشش کریں۔ کسی نیکی کو چھوٹی اور معمولی نہ سمجھیں۔ جس طرح معدے کا کھانا ہضم ہو جائے تو بھوک لگ جاتی ہے۔ لیکن اگر معدہ خراب ہو تو کچھ کھانے کو دِل نہیں کرتا۔

(اگر کھانے کے بعد گرم مشروب یعنی قہوہ یا چائے پی لیں۔ تو چکنائی والی چیزیں جلد ہضم ہو جاتی ہیں۔ کچھ دیر پیدل بھی چلیں۔)

اپنا محاسبہ کریں۔ اپنا جائزہ لیں۔ کیا پچھلے پانچ سال سے آپ بہتر انسان بنے ہیں؟

ایک سچے مطمئن متقی کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اُس کا ہر دِن پہلے سے بہتر ہوتا ہے۔ حدیثِ رسولؐ ہے کہ مومن کبھی اپنی نیکیوں سے سیر نہیں ہوتا۔

مثال: دو لوگ آپ کی بات سُنتے ہیں۔ دونوں پر ایک جیسا اَثر ہوتا ہے۔ دونوں کچھ نیکیاں کرنے کی نیت کرتے ہیں۔ لیکن ایک آگے بڑھ جاتا ہے۔ جو آگے نہیں بڑھ سکتا اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ رزقِ حلال نہیں کھاتا تھا۔ حرام رزق کھانے سے نیکیاں کرنے میں رغبت نہیں رہتی۔ راتوں کو ناول پڑھنے والوں کا قرآن کی کلاس میں دل نہیں لگے گا۔

اپنے تقویٰ کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ حلال کام کریں۔ حلال رزق کھائیں۔

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا
بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾

اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان سے بہت سے لوگ ملک میں حدِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں ﴿۳۲﴾

آگے ناحق قتل کی بات ہو رہی ہے۔یعنی جب کوئی بلاوجہ کسی کو ناحق قتل کر دے تو اُس نے فساد کا ٹرینڈ بنا دیا۔مثال ایک قتل دوسرے قتل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔اور جو ایک قتل کو بچالیتا ہے تو گویا اُس نے سب کو بچالیا۔

یعنی اگر قتل کرنے والے کو نہ روکا جائے تو پھر دوسرا قتل ہو گا پھر تیسرا اور ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔جس کو منع کیا جائے گا وہ کہے گا فلاں کو کچھ نہیں کہا۔فلاں نے بھی یہ کام کیا تھا۔فتنے اور فساد شروع ہو جاتے ہیں۔

اسلام ایسے کاموں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

مثال: ڈاکٹر بننا ایک پیشہ ہے۔ایک نیک بندہ بیمار ہوتا ہے۔ڈاکٹر اُس کا علاج کرتا ہے۔وہ نیک صحت مند ہو کر نیکیاں کرتا ہے تو وہ ڈاکٹر بھی اُس کی نیکیوں سے فیضیاب ہو گا۔لیکن اگر کافر یا گناہگار بندہ ڈاکٹر کے پاس علاج کے لئے جائے تو اُس کا علاج بھی بہترین طریقے سے کریں۔لیکن ساتھ ہی دُعا کریں کہ یا اللہ اِس کو ایمان عطا فرما اور نیکیوں کی توفیق عطا فرما۔اور موقع ملے تو تبلیغ بھی کر دیں۔کوئی

سُنّت سے علاج بتادیں یا حدیث سُنادیں۔ڈاکٹر کے پاس تبلیغ کے بہترین موقع آتے ہیں اور وہ اپنی ملازمت کے ساتھ ساتھ مُبلّغ کا اَجر بھی پالیتا ہے۔

ہسپتال اور جیلوں میں تبلیغ کے بہترین مواقع ملتے ہیں۔کیونکہ دِل نرم ہوتے ہیں۔بیمار لوگ فطرت کے قریب ہوتے ہیں۔زیادہ تر نئے مسلم جیلوں سے ہی بنتے ہیں۔غرور اور تکبّر ختم ہو جاتا ہے۔جیل کے قیدی عاجز بن جاتے ہیں۔جُرم کی شرمندگی سے اللہ سے قریب ہو جاتے ہیں۔

"۔اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے،اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا اور۔۔"

انسان کو چاہیئے مواقع کو غنیمت جانے اور اللہ کے دین کا پیغام پہنچاتا رہے۔جان بچانا بھی گویا انسانیت کو بچانا ہے اور کسی کی آخرت سنوار دینا تو بہترین عمل ہے۔

جتنے بھی نبی اور رسولؑ آئے وہ سب حق،سچ،واضع اور روشن پیغام لے کر آئے۔

"۔۔اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان سے بہت سے لوگ ملک میں حدِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔۔۔"

جتنا ہم قرآن سے جڑ کر رہیں گے اُتنا ہی سوچ اچھی ہو گی۔نیکیوں کے کام کرنے کو دِل چاہے گا۔ قرآن سے دُور ہونگے تو غلط کاموں میں پڑ سکتے ہیں۔پھر انسان سے زیادتی ہو جاتی ہے۔

اگلی آیت کا موضوع ہے۔ڈکیتی کی سزا۔ڈاکہ:

ڈاکے میں سامنے بٹھا کر لوٹ مار کرتے ہیں۔ انسان کی آنکھوں کے سامنے اُس سے مال چھین لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات جاتے ہوئے گولی چلا کر یا قتل کر کے جان بھی لے لیتے ہیں۔ ایسے لوگ معاشرے میں کھلے نہیں چھوڑے جاسکتے۔

اسلام نے اُن کی کیا سزا مقرر کی ہے؟

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب تیار ہے ﴿۳۳﴾ ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو میں آجائیں توبہ کرلی تو جان رکھو کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے ﴿۳۴﴾

ایک لفظ ہے قتل یعنی مارا جانا۔ یہاں لفظ ہے يُّقَتَّلُوْٓا ۔ معنی ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ قتّل۔

1. کہ قتل کر دیئے جائیں
2. یا سولی چڑھا دیئے جائیں

3. یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں (تاکہ موت واقع نہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر ایک طرف کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں تو معذوری کے علاوہ موت کا خدشہ ہوتا ہے)۔

4. یا ملک سے نکال دیئے جائیں

"۔۔ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو میں آ جائیں توبہ کر لی۔۔'

لیکن اگر معاملہ حکومت تک نہ پہنچا ہو۔ اور پھر وہ سچی توبہ کر لیں تو اللہ بخش دے گا۔

یہ سزائیں کیسے اور کب دی جائیں گی؟

A. اگر تو کسی نے مال لوٹتے وقت قتل کر دیا لیکن مال نہیں لوٹا پھر بھی وہ قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔

B. اگر تو کسی نے مال لوٹتے وقت قتل بھی کر دیا اور مال بھی لوٹ لیا تو پھر وہ سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

C. اگر تو کسی نے مال لوٹتے وقت مال لوٹ لیا لیکن قتل نہیں کیا۔ اُس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائینگے۔

D. اگر کوئی مال لوٹنے آیا لیکن نہ تو مال لوٹا اور نہ ہی قتل کیا تو اُسے جلاوطن کر دیا جائے گا یا جیل کی سزا دی جائے گی۔

لیکن سزا کا فیصلہ وقت کا قاضی، یعنی عدالت کا جج کرے گا۔ کسی عام شخص کو سزا دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ جج ایک سزا یا دو سزائیں دے سکتا ہے۔

چنانچہ بخاری مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسولؐ اللہ کے پاس آئے، اسلام قبول کر لیا۔ غریب لوگ تھے لیکن کچھ بیمار ہو گئے۔ وہ کہنے لگے کہ اُنہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تم چاہو تو مدینہ سے باہر چلے جاؤ۔ ایک صحابیؓ کو اسلام سکھانے کے لئے اُن کے ساتھ بھیجا اور انہیں کچھ اونٹ بھی دیئے۔ کہ جاؤ اونٹوں کو چراؤ اور اپنا گزارہ کرو۔ چنانچہ یہ وہاں گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے صحابی کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لائیں، چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا نہ ان کے زخم دھوئے گئے۔ (صحیح بخاری:233)

دو باتیں دیکھیں کہ ایک تو انہیں پکڑ کر واپس لایا گیا۔ مسلمان یہ نہیں ہوتا کہ کوئی سزا نہ دے۔ آرام سے بیٹھ جائے کہ کوئی بات نہیں۔

دوسرا بہت منظم طریقے سے سزا دی گئی اور کسی مسلمان کو اُن پر ترس نہیں آیا۔

جرم کرنے والے کو پوری شرعی سزا دی جائے اور مجرم سے کوئی ہمدردی نہ کرے۔

اسلام بُرائی کو جڑ سے اُکھاڑنا چاہتا ہے۔ ایک دو دفعہ پوری سزا دی جائے تو جُرم ختم ہو جائے گا۔ معاشرے میں امن سکون ہو جائے گا۔ لیکن اس وقت کچھ مغربی نام کے دانشور اور کچھ ہمارے اپنے

نقلی واعظ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی سزائیں سخت ہیں۔ پھر آپ خود ہی دیکھ لیں کہ باوجود تمام ہمدردی کے جرائم ہیں کہ بڑھتے جارہے ہیں۔

آپ دیکھ لیں کہ اِس سزا کے بعد مدینہ میں ایسا کوئی جُرم نہیں ہوُا۔

ہمارے ملکوں کا حال دیکھ لیں ہر طرف، رشوت اور اور فراڈ ہورہے ہیں۔ اگر مجرم کو کھلے عام سزا ملے تو دوسرے اُس سے عبرت پکڑیں گے۔ پھر وہ جُرم کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جائے گا۔ جب سب کے سامنے قتل ہو گا، کوڑے پڑیں گے تو باقی سب کو سبق مل جائے گا۔

جو جیسا بُرا کرے اُس کو ویسی ہی سزا دی جائے گی۔

آگے مختلف آیت آئے گی کیونکہ اسلام انسان کی نفسیات کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اللہ کی کتاب اکتاہٹ نہیں ہونے دیتی۔ موضوع بدل بدل کر بات کی جاتی ہے تا کہ انسانی ذہن پر بوجھ نہ پڑے۔